13

افریقہ، امریکہ اور یورپ میں نئی مساجد کی تعمیر اور ان کی اہمیت

پاکستان کی احمدی جماعتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر نئی مساجد تعمیر کرنے کی کوشش کریں

(فرمودہ 3 مئی 1957ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اس ہفتہ جو خبریں باہر سے آئی ہیں ان میں سے بعض تو ابھی ایسی حالت میں ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کا ابھی موقع نہیں آیا۔ لیکن خوشخبریاں ایسی ہیں کہ ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مشرقی افریقہ میں ہماری کچھ مساجد بنی تھیں۔ میں نے شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ کو ان کے فوٹو بھیجنے کے لیے لکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان مساجد کے فوٹو بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک مسجد ایسی ہے جس کے متعلق مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ ساٹھ سال کی بنی ہوئی ہے جبکہ سید محمود اللہ شاہ صاحب مرحوم وہاں رہتے تھے۔ مگر معلوم نہیں شیخ مبارک احمد صاحب کو کیا ہوا کہ اَب تک انہوں نے اس کا فوٹو نہیں بھیجا تھا۔ لکھنے پر انہوں نے اس کا فوٹو بھیجا ہے۔

مساجد کے جو فوٹو مشرقی افریقہ سے آئے ہیں اُن میں سے ایک نیروبی کی مسجد کا ہے۔

ایک مسجد ممباسہ میں بنی ہے جس کا فوٹو ہے۔ یہ مسجد ایک عورت نے بنوائی ہے جو بیوہ ہے۔ اُس نے ساٹھ ہزار روپیہ اس کی تعمیر کے لیے دیا ہے۔ یہ عورت ہمارے سابق امیر کی جواَب فوت ہو چکے ہیں بیوہ ہے۔ اس نے اپنی ساری پونجی جو اُس کے خاوند نے اپنے بعد چھوڑی تھی اُس سے ممباسہ کی مسجد بنوا دی ہے۔ چونکہ مسجد پر اس سے زیادہ رقم خرچ ہوتی تھی اس لیے بعض اَور احمدیوں نے بھی اپنا چندہ اس کی مد میں جمع کرایا اور بعض لوگوں نے قرضہ دے دیا۔ اِس طرح ممباسہ میں ایک بڑی عالی شان مسجد بن گئی۔ پھر ان میں دارالسلام کی مسجد کا فوٹو بھی ہے جو نئی بنی ہے۔ یہ مسجد بھی لوکل احمدیوں نے مقامی طور پر چندہ جمع کر کے بنوائی ہے۔ یہ بہت ہی شاندار مسجد ہے۔ فوٹو بتا تا ہے کہ مسجد کے افتتاح کے موقع پر انگریز، سکھ، ہندو اور عیسائی لوگ اس کے صحن میں بیٹھے شیخ مبارک احمد صاحب کی تقریر سن رہے ہیں۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ ہم اس مسجد کا افتتاح کرتے ہیں تا کہ اس میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ ہمارے مبلغ امری عبیدی جو یہاں سے پڑھ کر گئے ہیں وہ بھی وہاں موجود ہیں۔ شیخ مبارک احمد صاحب بھی فوٹو میں ہیں، مولوی محمد منور صاحب، مولوی محمد ابراہیم صاحب کمپالہ والے بھی ہیں۔ غرض سارے مبلغ نظر آ رہے ہیں۔ جو لوگ صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں فوٹو سے ان کی تعداد سینکڑوں کی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ تو کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور بعض آدمی شوق سے زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں اور مسجد کی عمارت بڑی عالی شان نظر آ رہی ہے۔

کل ایک خبر یہ بھی آئی ہے کہ کمپالہ میں بھی ایک مسجد تیار کی جا رہی ہے۔ اس مسجد کے بننے میں دیر ہوئی تو میں نے مبلغ انچارج سے دریافت کیا تھا کہ یہ بنتی کیوں نہیں؟ جس کے جواب میں انہوں نے یہ اطلاع بھجوائی ہے کہ وہاں گورنمنٹ نے ایک قطعہ زمین مسجد کی تعمیر کے لیے احمدیوں کو دیا تھا اور حسبِ قاعدہ گورنمنٹ نے رسمی طور پر اس کی قیمت بھی طلب کی تھی۔ وہ قیمت احمدیوں نے ادا کر دی تھی لیکن اس کے بنانے میں دیر ہوگئی تو جماعت کے دوستوں نے مجھے لکھا کہ یہ ٹکڑا زمین کا اچھی قیمت پر بِک سکتا ہے۔ اگر اجازت دیں تو اس کو بیچ کر کوئی اَور قطعہ زمین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں نے کہا فروخت کر دو اور اس کی قیمت سے اَور زمین لے کر مسجد بنا لو۔ اب انہوں نے اطلاع دی ہے کہ مسجد کے لیے زمین مل گئی ہے اور نقشہ بنا کر پیش کر دیا گیا ہے۔ منظوری کے بعد مسجد کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ یہ مسجد ملا کر مشرقی افریقہ میں چار مشہور شہروں میں چار بڑی مساجد ہو جاتی ہیں۔

نیروبی میں ایک، ممباسہ میں ایک، دارالسلام میں ایک، کمپالہ میں ایک، ان کے علاوہ کئی اَور چھوٹی چھوٹی مساجد بھی ہیں۔

ویسٹ افریقہ میں بھی ہماری کئی مساجد ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شاندار مساجد بنانے کا رواج نہیں۔ البتہ سالٹ پانڈ میں جہاں ہمارا گولڈکوسٹ کا انچارج مبلغ رہتا ہے ہماری جو مسجد ہے وہ بہت بڑی اور شاندار ہے۔ ملک کا وزیرِاعظم اس کے افتتاح کی تقریب میں آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ جس قلیل رقم میں احمدیوں نے یہ مسجد بنا لی ہے گورنمنٹ بھی نہیں بنا سکتی اور ایسی شاندار مسجد ہمارے سارے ملک میں کوئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے مبلغوں نے خود پاس کھڑے ہو کر کام کی نگرانی کی تھی اور مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا اور ان سے کام کروایا تھا جس کی وجہ سے وہ مسجد بہت تھوڑی رقم میں بن گئی۔ اب بعض اطلاعات سے پتا چلتا ہے کہ سیرالیون میں بھی بعض جگہوں پر مساجد بن رہی ہیں۔ امریکہ سے بھی اطلاع آئی ہے کہ وہاں غالباً ڈیٹرائیٹ میں ایک مسجد بن رہی ہے۔ وہاں کوئی نومسلم جوڑا تھا۔ انہوں نے اس مسجد کے لیے اپنی زمین دی تھی اور کچھ جائیداد بھی دی تھی کہ اسے فروخت کر کے مسجد کی تعمیر کر لی جائے۔ کل اطلاع آئی ہے کہ یہ مسجد تکمیل کو پہنچنے والی ہے۔

کاش! ہمارے ملک میں بھی لوگوں کو مساجد بنانے کا شوق ہوتا۔ یہاں مساجد بنانے کا بہت کم شوق ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملک کے چپہ چپہ پر پرانے بادشاہوں اور امراء نے اتنی مساجد بنا دی ہیں کہ اب مسلمانوں کو نئی مساجد تعمیر کرنے کا شوق نہیں رہا۔ وہ مساجد کو ویران پڑا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں پہلی مساجد ہی ویران پڑی ہیں ہم اَور کیا بنائیں۔ حالانکہ ہماری جماعت کے سامنے یہ سوال نہیں۔ ہمارے پاس جو پہلے مساجد تھیں وہ بھی لوگوں نے چھین لی ہیں۔ مثلاً لاہور میں گمٹی والی مسجد احمدیوں سے چھین لی گئی۔ بعد میں بڑی مصیبت سے قریشی محمد حسین صاحب مرحوم مفرّح عنبری والوں نے احمدیوں سے پیسہ پیسہ چندہ جمع کر کے دہلی دروازہ کے باہر ایک مسجد بنوائی۔ اب وہ مسجد بھی اتنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ اس میں ساری جماعت سماتی نہیں۔ بلکہ جب میں جایا کرتا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ لوگوں نے دور دور تک سائیکل رکھے ہوئے ہوتے تھے اور دوست سڑکوں پر نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ میں نے جماعت کو تحریک کی کہ اَور مسجد بناؤ۔ گو وہ مسجد ابھی تک بنی نہیں لیکن اس کے لیے زمین خرید لی گئی ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اَور زمین بھی نکلی تھی جس کے خریدنے کے لیے صدر انجمن احمدیہ سے

کوئی سمجھوتا کیا جا رہا تھا کہ اس کے خریدنے کے لیے قرضہ دے دیا جائے لیکن معلوم ہوتا ہے وہ سمجھوتا ہوا نہیں کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی رپورٹ نہیں آئی۔

مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہمارے ملک میں اب تک یہ مرض باقی ہے کہ جب تک شاہی مسجد کی طرح شاندار مسجد نہ ہو لوگ بناتے نہیں۔ حالانکہ مسجد کے لیے تو ایک چھپّر ہی کافی ہے۔ اگر جماعت احمدیہ لاہور ایک چھپّر ہی بنا لیتی تو مسجد بن جاتی۔ لیکن انہوں نے ابھی تک چھپّر بھی نہیں بنایا۔ امیر صاحب آہستہ آہستہ خطبات میں چندہ کی تحریک کرتے رہے اور روپیہ جمع کرتے رہے۔ کل مجھے ایک دوست نے بتایا ہے کہ لاہور کے ایک دوست نے اس کے لیے بیس ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ اس دوست کے پاس جب کارکن چندہ لینے کے لیے گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ ان سے کس قدر رقم کی اُمید کی جاتی ہے؟ چندہ لینے والوں نے سمجھا کہ یہ امیر آدمی ہیں اگر ہم نے تھوڑا مانگا تب بھی غلطی ہوگی اور زیادہ مانگا تب بھی غلطی ہوگی۔ آخرکار انہوں نے دس ہزار کی رقم طلب کی۔ اس متموّل احمدی دوست نے فوراً چیک بک نکالی اور بیس ہزار روپے کا چیک دے دیا اور کہا میری طرف سے اتنی رقم اس مد میں شامل کر لو۔ ہمارے ملک میں یہ ایک مثال ملتی ہے کہ متموّل لوگوں میں سے ایک دوست نے خاصی رقم مسجد کی تعمیر کے لیے دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ایسے بہت سے دوست ہیں جن کے لیے ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار روپیہ دینا کوئی مشکل امر نہیں۔ اِس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈھاکہ، کراچی اور پنجاب میں بیس تیس تاجر ایسے ہیں جو ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار چندہ دے سکتے ہیں اور سارے مل کر تین چار لاکھ روپیہ دے سکتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے شہروں میں مساجد بن سکتی ہیں۔ یوں مقامی طور پر بھی اگر جماعتیں جدوجہد کریں تو اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں بنا سکتیں ہیں۔ چنانچہ راولپنڈی میں پچھلے فسادات یعنی 1953ء میں لوگوں نے ہماری مسجد کو جلا دیا تھا۔ بعد میں پتا لگا کہ مقامی جماعت نے قریباً سترہ ہزار روپیہ خرچ کر کے اسے دوبارہ تعمیر کر لیا ہے اور نئی مسجد کے لیے زمین بھی خرید لی ہے۔ تو مقامی طور پر بھی لوگوں میں تحریک کی جائے تو ان میں بڑا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ میں اِسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک غریب بیوہ عورت کا لڑکا مجھے ملا۔ یہ ولایت سے آنے کے بعد کی بات ہے۔ اس نے مجھے دو سَو روپیہ کے نوٹ دیئے اور کہا یہ رقم میری ماں نے

بھیجی ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنے کپڑے بیچ کر یہ رقم مہیا کی ہے اس کو کسی مسجد میں لگا دیا جائے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ مسجدوں کے لیے لوگوں کے حوصلے بہت وسیع ہوتے ہیں۔ اگر اس ذریعہ سے جماعت میں تحریک کی جائے تو یقیناً بڑی مدد حاصل ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہماری جماعت پر دوسرے لوگوں کو بھی اعتبار ہے جس کی وجہ سے اگر احمدی دوست اپنے غیر احمدی احباب سے بھی رقوم حاصل کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے غیر ملکوں میں مساجد تعمیر کرنے کی تحریک کی۔ جب میں مسجد سے باہر نکلا تو ایک احمدی دوست ایک غیر احمدی کو میرے پاس لائے اور کہا یہ دوست باہر سے آئے ہیں۔ انہوں نے آپ کی غیر ملکوں میں مساجد بنانے کی تحریک سُنی تھی اور اس کے نتیجہ میں یہ تیرہ سَو روپیہ جمع کر کے لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اَور بھی دوں گا۔ تو اِس طرز پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ تحریک انفرادی ہونی چاہیے جماعت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ جماعت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ سر نیچا کر کے کسی اَور سے مانگے۔ لیکن افراد اگر اپنے غیر احمدی دوستوں سے چاہیں تو وہ بیشک ایسا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ایک غیر احمدی دوست خود آئے اور ایک بڑی رقم دے گئے کہ اسے کسی مسجد میں لگا دیا جائے۔ اس کی ذمہ داری نہ جماعت پر آتی ہے اور نہ اس سے جماعت کا سر نیچا ہوتا ہے۔ لیکن اگر دوست جماعت کے نام پر مانگنے لگ جائیں تو یہ غلط طریق ہوگا۔ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اِتنی بڑی ہے کہ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے تو مسجدوں کے تمام کام خود آسانی سے کرسکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے پندرہ بیس آدمی ایسے ہیں جو ایک وقت میں پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار روپیہ دے سکتے ہیں اور اسے آسانی کے ساتھ دو تین سالوں پر پھیلا سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس سے ان کے سرمایہ پر اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن وہ اسے اس طرح پھیلا سکتے ہیں کہ اس کا اثر کئی سالوں پر پڑ جائے۔

ہندوستان میں بھی بعض ایسے احمدی دوست ہیں لیکن وہاں کے لوگوں پر ہندوستان کی حکومت نے ظلم کر کے اتنے بڑے ٹیکس لگا دیئے کہ انہیں اپنی تجارتیں نیلام کرنی پڑیں۔ ایک احمدی دوست کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ایک بھائی جو اَب فوت ہو گئے ہیں ان پر حکومت نے

دو لاکھ روپیہ ٹیکس لگایا اور اسے وصول کرلیا۔ پھر ان کے مرنے کے بعد ان کے اس بھائی سے جو زندہ ہیں پونے دو لاکھ اَور وصول کرلیا اور یہ کہہ دیا کہ پہلا ٹیکس گزشتہ پانچ سال کا تھا اور اس سے پہلے پانچ سالوں کا یہ ٹیکس ہے جو اَب لیا جا رہا ہے۔ اس طرح ان کی تجارت کو بالکل کچل کر رکھ دیا۔ اپنے پاس سے ہی بناوٹی حساب بنالیا اور اس کے نتیجہ میں اس قدر رقم بطور انکم ٹیکس حاصل کرلی کہ اس بیچارے کو اپنی تجارت نیلام کرنا پڑی۔ ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی انکم ٹیکس والوں کو وسیع اختیارات حاصل ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسا کر لیتے ہیں۔ بہرحال اس ظلم کے باوجود ہندوستان میں بھی بعض متمول دوست ایسے ہیں جو پندرہ پندرہ، بیس بیس ہزار چندہ ایک وقت میں دے سکتے ہیں۔ ان کی تجارت بہت اچھی ہے۔ اور پاکستان میں تو ہیں ہی۔ کراچی میں ایک دوست نے باتوں باتوں میں مجھ سے ذکر کیا کہ دو چار لاکھ روپیہ تو میں بھی لگا سکتا ہوں اور کہا کہ کراچی میں جو میری جائیداد ہے اسے میں ٹھیک طرح استعمال کروں تو پچاس ہزار روپے ماہوار آسکتا ہے۔ گویا اس کی سالانہ آمد چھ لاکھ روپیہ ہو جاتی ہے اور تین سال میں اٹھارہ لاکھ روپیہ آجاتا ہے۔ تو دیکھ لو اس دوست کے لیے پندرہ بیس ہزار ایک وقت میں دے دینا کونسا مشکل امر ہے۔ ہماری جماعتوں کو چاہیے کہ وہ اس رقم کی متمول دوستوں میں تحریک کر کے چندہ اکٹھا کریں اور مساجد کی تعمیر کریں۔

بعض بڑے بڑے شہروں کے دوستوں میں بُخل بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً سیالکوٹ ہے اس میں اب تک ہماری نئی مسجد بن جانی چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے نہیں بنائی۔ اسی طرح لاہور میں نئی مسجد بن جانی چاہیے تھی لیکن وہ ابھی تک بننے میں نہیں آئی۔ ملتان سے بھی جماعت کے امیر آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں تو مسجد بنانے کے لیے تیار ہوں لیکن مجلس عامہ کے ممبران میرے ساتھ متفق نہیں ہوئے۔ میں نے بڑی کوشش کر کے ایک مکان کا انتظام کرلیا ہے لیکن ممبرانِ مجلس عاملہ کے تائید نہ کرنے کی وجہ سے میں مجبور ہوں۔ پریذیڈنٹ ہونے کی وجہ سے مجھے اس کے اتفاق کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا مجبور مَیں بھی ہوں۔ قانون شکنی میں بھی نہیں کرسکتا۔ ناظر اعلیٰ سے بات کرو۔ ممکن ہے وہ کوئی صورت نکال دیں۔ مسجد تو ضرور بنی چاہیے۔ اسکے متعلق اگر کوئی قانون ہے تو اگرچہ وہ مجھے یاد نہیں لیکن اس کو توڑنا میرا کام نہیں۔ اس میں سے راستہ نکالنا ناظر اعلیٰ کا کام ہے۔ ان کے پاس چلے جاؤ۔ اُمید ہے وہ کوئی رستہ نکال دیں گے اور تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی اور مسجد بن جائے گی۔

لائلپور میں دوستوں نے ہمت کر کے بہت بڑی مسجد بنائی ہے۔ میں جس وقت اس مسجد کے افتتاح کے لیے گیا تھا تو لائلپور میں تیس، چالیس احمدی تھے اور مسجد تین چار سَو آدمیوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اب سنا ہے وہ بھی جماعت کو کفایت نہیں کرتی۔ اب ان کو بھی اَور مسجد بنانے کی ضرورت ہوگی۔ پھر سرگودھا ہے۔ اس میں بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہاں بھی کوشش کی جائے تو بڑی مسجد بن سکتی ہے۔ کم از کم ہر بڑے شہر میں ایک مسجد بن جانی چاہیے۔ مجھے پتا ہے کہ بعض جگہوں پر بہت تھوڑے احمدی ہیں لیکن انہوں نے مسجد بنا لی ہے۔ مثلاً کیمبل پور ہے۔ ایک دفعہ نوائے پاکستان میں کسی غیر احمدی کا نوٹ چھپا تھا کہ تم شور مچا رہے ہو کہ یہاں سے احمدیوں کو نکال دو۔ لیکن یہاں تو احمدی حکومت کر رہے ہیں۔ پہلے یہاں انہیں کوئی مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد انہوں نے یہاں ایک بڑی بھاری مسجد بنا لی ہے۔ اب وہ اس میں اذانیں دیتے ہیں اور تقریریں کرتے ہیں حالانکہ کیمبل پور میں بہت چھوٹی سی جماعت ہے۔ تو ہمت کی بات ہوتی ہے۔ جہاں جہاں دوستوں میں احساس پیدا ہوا ہے انہوں نے اپنی مسجدیں بنا لی ہیں۔ اگر یہی احساس باقی جگہوں پر بھی پیدا ہو جائے تو کم سے کم بیس مسجدیں پنجاب کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں ہو جاتی ہیں اور تیس مسجدیں سابق صوبہ سرحد میں ہونی چاہییں اور بیس پچیس مسجدیں سابق صوبہ سندھ میں ہونی چاہییں۔ کراچی اور لاہور اب اتنے بڑے شہر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شہر میں پانچ پانچ، چھ چھ اَور مسجدیں ہونی چاہییں۔ ڈھاکہ میں اگرچہ مسجد بن گئی ہے مگر اس میں اَور مساجد بھی بننی چاہییں۔ پھر اس کے اردگرد کے علاقہ میں بھی مساجد کی ضرورت ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ڈھاکہ میں صرف چند احمدی دوست تھے مگر اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں بڑی اچھی جماعت ہے (سارے ایسٹ اور ویسٹ) پاکستان میں میرے خیال میں پانچ سات سَو مساجد کی گنجائش ہے۔

پس ہر جماعت کو چاہیے کہ وہ اپنی مسجد بنائے۔ سیالکوٹ میں دیہات کی جو امارتیں ہیں ان میں سے بعض میں سارے کے سارے احمدی بستے ہیں۔ میلوں میل تک کوئی غیر احمدی نظر نہیں آتا۔ ان امارتوں میں احمدیوں نے اپنی مساجد بنا لی ہیں۔ وہ شہروں والی مساجد تو نہیں دیہات اور قصبات کے مناسبِ حال مساجد ہی ہیں۔ لیکن بہر حال انہوں نے نماز پڑھنے کی جگہیں بنا لی ہیں۔ وہ اگر اُن کو پھیلائیں تو صرف ضلع سیالکوٹ میں ہی پانچ سات مزید مسجدوں کی گنجائش ہے۔ گو وہ چھوٹی چھوٹی

مسجد یں ہوں گی مگر علاقہ کے لحاظ سے وہ مناسب ہوں گی کیونکہ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر چھوٹی مسجد یں ہی مناسب ہوتی ہیں۔ بہرحال جماعتوں میں مسجد یں بنانے کی طرف توجہ ہو رہی ہے اور غیر ملک تو بڑی جلدی جلدی آگے بڑھ رہے ہیں۔ لیکن پاکستان اس کام میں ذرا پیچھے ہے۔ پاکستان بیرونی ممالک میں تو بعض بڑی بڑی مساجد بنا چکا ہے لیکن اپنے ملک میں مساجد بنانے کی طرف اس کی توجہ بہت کم ہے۔

بیرونی ممالک میں مساجد بنانے میں بڑی دقّت یہی ہے کہ ہمیں ایکسچینج نہیں ملتا۔ اگر ایکسچینج مل جائے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم اَور بھی مسجد یں بنا سکتے ہیں۔ اِس وقت ہیمبرگ میں مسجد بن چکی ہے، لندن میں بن چکی ہے، ہیگ میں بن چکی ہے۔ اب نیورمبرگ (Nuremberg) میں بنانے کی تجویز ہے۔ ایکسچینج کے متعلق گورنمنٹ کو مولویوں کا کچھ ایسا ڈر ہے کہ اس نے ہمارے لیے کچھ ایکسچینج منظور کیا تھا۔ ہمارا آدمی اُن کے پاس پہنچا اور اُس نے کہا ہمیں جو ایکسچینج آپ دیتے ہیں وہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ ہمارے مبلغ بہت زیادہ ہیں اور دوسری انجمنوں کے مبلغ بہت کم ہیں۔ ہمارے مبلغ اس وقت یورپ میں بیس کے قریب ہیں اور اُن کے صرف تین مبلغ ہیں۔ آپ مبلغوں کے اعتبار سے ایکسچینج تقسیم کریں۔ ان کے تین مبلغ ہیں انہیں تین مبلغوں کا حصہ دیا جائے اور ہمارے بیس مبلغ ہیں ہمیں بیس مبلّغوں کا حصہ دیا جائے۔ انہوں نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر ہم کریں تو ملک میں شور پڑ جائے گا۔ ہم آپ کو صرف تیسرا حصہ ہی دیں گے۔ چاہے آپ کے بیس مبلغ ہوں اور اُن کے تین مبلغ ہوں۔ اگر ایکسچینج آسانی سے مل جائے تو میں سمجھتا ہوں اِس ملک میں مسجد یں بنانے کے علاوہ ہمارے امراء کو باہر کے ممالک میں بھی مسجد یں بنانے کی توفیق مل جائے گی۔ اس طرح میرے خیال میں باہر کے ممالک میں بھی بیس پچیس مسجد یں بن سکتی ہیں۔ ایکسچینج کی دِقتیں دور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ گورنمنٹ کے افسران کے دلوں سے مولویوں کا ڈر جاتا رہے اور وہ ہمیں ایکسچینج میں سے ہمارا مناسب حصہ دیں۔ دوسرے خدا تعالیٰ ہمارے ملک کی ایکسچینج کی حالت کو درست کر دے یعنی اِس وقت جو وہ دوسرے ممالک کا مقروض ہے وہ حالت جاتی رہے اور اس کا غیر ممالک میں پونڈ کا ذخیرہ زیادہ ہو جائے اور اس طرح وہ ہمیں بہ افراط ایکسچینج دے سکے۔ اگر یہ آسانی پیدا ہو جائے تو میرا اپنا خیال ہے کہ بارہ مساجد تو جرمنی میں ہی بنی چاہییں۔ ہیمبرگ میں بن گئی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ ایکسچینج دے گا

تو نیورمبرگ میں بن جائے گی۔ پھر جب خدا تعالیٰ اور ایکسچینج دے گا تو فرینکفورٹ (Frankfurt) میں یا ڈوسل ڈارف (Dussel Darf) میں بن جائے گی۔ یہ تین ہو جائیں گی۔ پھر خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو ہنیور (Hanover) میں بن جائے گی۔ پھر خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو انزبروک (Innsbruck) میں بھی بن جائے گی۔ پھر توفیق دے گا تو ایک منشن (Munchen) میں جسے میونچ (Munich) بھی کہتے ہیں بن جائے گی جہاں سے ہٹلر نکلا تھا۔ یہ چھ ہو جائیں گی۔ پھر توفیق دے گا تو کیل (Keil) میں بن جائے گی جو جرمن کا بڑا بھاری پورٹ (بندرگاہ) ہے۔ یہ سات ہو جائیں گی۔ ان کے علاوہ بون (Bons) بڑا شہر ہے جو جرمنی کا دارالخلافہ ہے۔ پھر کولون (Cologne) بڑا شہر ہے۔ انہیں ملا کر نو مساجد بن جاتی ہیں۔ میں نے ایک دن گِنا تھا کہ صرف جرمنی میں دس بارہ مساجد کی ضرورت ہے۔ اگر اتنی مساجد وہاں بن جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کئی ہزار مسلمان ہو جائیں۔

جرمنی میں انگلستان اور دوسرے یورپین ممالک کے مقابلہ میں مَیں نے یہ خوبی دیکھی ہے کہ وہاں جو احمدی ہوتا ہے وہ چندہ بھی دیتا ہے۔ یہ بات دوسرے ملکوں میں نہیں۔ مثلاً سوئٹزرلینڈ میں دس دس سال سے بعض احمدی ہوئے ہیں لیکن وہ چندے نہیں دیتے۔ لیکن جرمنی میں جب میں گیا تو ایک شخص مجھے ملنے آیا۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس کے پاس شراب کا ایک بڑا کارخانہ تھا جو اسے باپ کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس نے مجھ سے فتویٰ پوچھا کہ میرے پاس شراب کا ایک کارخانہ ہے کیا میں اسے چھوڑ دوں؟ میں نے کہا وہ کارخانہ تم نے تو نہیں بنایا تمہارے باپ کی طرف سے ورثہ میں تم کو ملا ہے۔ تم آہستہ آہستہ اس سے اپنا روپیہ نکالو اور اسے کسی اَور کارخانہ میں لگاتے جاؤ۔ فوراً نہ چھوڑو۔ ہمارے مبلغ نے اس کے متعلق بتایا کہ وہ دو پونڈ ماہوار باقاعدہ چندہ دیتا ہے۔ اب وہ فوت ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے وہاں پھر ایک نیا احمدی بنایا۔ اس کے متعلق بھی اطلاع آئی ہے کہ وہ ایک پونڈ ماہوار چندہ دیتا ہے۔ اب وہ یہاں اپنی بیوی سمیت آ رہا ہے اور اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک اَور احمدی دوست کے ساتھ ترکی اور ایران سے ہوتا ہوا پاکستان آئے گا۔ شاید ستمبر میں وہ یہاں پہنچ جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے اندر اتنا اخلاص ہے کہ آنے سے پہلے اُس نے اپنی جگہ پر انتظام کر دیا ہے کہ اُس کے دوست اور رشتہ دار اس کا باقاعدہ چندہ دیتے رہیں۔ گویا وہ چھ ماہ کا عرصہ جو باہر رہے گا اس

میں اس نے انتظام کر دیا ہے کہ ایک پونڈ ماہوار چندہ باقاعدہ جماعت کو ملتا رہے۔ ایک پونڈ ماہوار کی بظاہر کوئی حیثیت نہیں مگر دس بیس ہزار احمدی ہو جائیں اور اس طرح دس بیس ہزار پونڈ ماہوار چندہ آ جائے تو اس سے ہر ماہ ایک مسجد بن سکتی ہے۔ خدا کرے یہ نومسلم یہاں آ جائے اور ہر ابتلا سے محفوظ رہے۔ یورپ کے لوگوں خصوصاً جرمنی کے لوگوں کے آنے میں ابتلا کا خطرہ رہتا ہے۔ جرمنی کے لوگ اگرچہ امارت میں بہت کم ہیں لیکن ان میں نزاکت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ویسے لڑائی میں وہ بہت مضبوط ہیں لیکن طبیعت کے لحاظ سے بڑے صفائی پسند ہیں اور جرمنی میں بہت زیادہ صفائی کا خیال پایا جاتا ہے۔ لندن میں جاؤ تو ہر جگہ کاغذات پڑے ہوئے نظر آئیں گے۔ جہاں کسی نے کوئی چیز کھائی وہیں کاغذ پھینک دیا۔ لیکن سوئٹزرلینڈ میں ہم رہے ہیں وہاں صفائی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ سارے شہر میں پھر جاؤ ایک کاغذ بھی کسی سڑک پر پڑا نہیں ملے گا۔ ہمارا ملک تو گندا ہے ہی۔ جرمنی کا ایک احمدی زندگی وقف کر کے لندن گیا اور وہاں سے مرتد ہو کر واپس آ گیا۔ صرف اس وجہ سے کہ لندن بڑا گندہ شہر ہے۔ تو جس کو لندن گندا شہر نظر آیا ربوہ اُسے کیسا نظر آئے گا۔ جہاں ہر جگہ پر بکروں کی آنتیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ٹلٹاک صاحب نے جب ربوہ آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو چودھری ظفراللہ خان صاحب نے مجھے منع کیا کہ اُسے ابھی نہ بلاؤ، میں اپنا مکان بنالوں اور اس میں فلش والا پاخانہ بنا لوں تب بلائیں۔ ورنہ اس کو ابتلاء آ جائے گا۔ چنانچہ پچھلے سال جب چودھری صاحب کا مکان بن گیا تو وہ یہاں آ گئے۔ ورنہ انہوں نے بہت عرصہ پہلے آ جانا تھا۔ اب ڈر آتا ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی آ رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کے ایمانوں کو سلامت رکھے۔ ہماری عدمِ صفائی کی وجہ سے ان کو کوئی ٹھوکر نہ لگے کیونکہ جرمن لوگ بڑے صفائی پسند ہیں۔ جب تک انہیں صفائی نظر نہ آئے اور یہ نہ دیکھیں کہ سب لوگ مشینوں کی طرح کام میں لگے ہوئے ہیں انہیں ٹھوکر لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ہم ہیمبرگ میں رہتے تھے۔ ہم دیکھتے کہ ہمارے سامنے گلی میں ایک مکان ٹوٹا ہوا ہے مگر دوسری صبح دیکھتے کہ لوگ دیوؤں کی طرح اُس مکان کے بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور شام تک اُسے مکمل کر دیتے۔ مجھے ایک وزیر نے بتایا کہ ہم سب سے زیادہ اہمیت تعمیر کے کام کو دیتے ہیں۔ انگریزوں نے ہمارے شہر کو بموں سے اُڑایا تھا۔ اب ہم خود اسے تعمیر کر رہے ہیں۔ محلّہ والے سب لوگ آ جاتے ہیں اور مزدور بن کر مکان تعمیر کرا دیتے ہیں اور ایک پیسہ بھی اجرت کے طور پر نہیں لیتے۔ اس طرح ہم ہر روز تین چار مکانات بنا لیتے

ہیں اور سال میں ہم نے سارا ہیمبرگ بنالیا ہے۔

ہماری جماعت کے ایک نوجوان جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے اُن سے اِس بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی میری اس بات کی تائید کی اور کہا میں بھی وہاں سے آیا ہوں۔ وہاں یہی حال تھا۔ میں اپنے مکان کی کھڑکی میں سے دیکھتا تو ایک مکان گرا ہوا ہوتا تھا۔ مگر دوسرے دن دیکھتا تو وہ مکان تعمیر ہو چکا ہوتا۔ سارے کے سارے لوگ آپ ہی آ جاتے تھے اور مفت مکان بنا دیتے تھے اور کہتے تھے ہمارا شہر انگریزوں نے توڑا ہے اب ہم اسے خود تعمیر کریں گے۔ میں وہاں ایک یونیورسٹی کے ہسپتال میں اپنے معائنہ کے لیے گیا تو میں نے دیکھا کہ یونیورسٹی ٹوٹی ہوئی ہے اور جو چھتیں بنی ہوئی ہیں وہ تازہ تعمیر کردہ ہیں اور اُن سے تازہ پینٹ کی بُو آ رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹروں میں سے ایک سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ہماری یونیورسٹی بمباری کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ جو حصہ بنا ہوا آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہم نے اور طالبعلموں نے مل کر بنایا ہے۔ میں نے کہا ہمارے ملک میں تو کوئی ڈاکٹر ایسے کام کو ہاتھ نہ لگائے۔ اُس نے کہا ہم تو پروا نہیں کرتے۔ ہماری یہ یونیورسٹی بہت مشہور تھی۔ بمباری کی وجہ سے اس میں بڑے بڑے غار بن گئے تھے۔ چنانچہ اُس نے مجھے ایک کمرہ دکھایا اور ایک غار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اتنے بڑے بڑے غار تھے۔ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم خود کام کریں گے اور یونیورسٹی کی عمارت بنائیں گے۔ چنانچہ سارے ڈاکٹر اور طالبعلم کام میں لگ گئے اور یہ عمارت بنا لی۔ میں نے کہا واقعی یہ تمہاری ہی ہمت ہے۔ ہمارے ملک میں تو استاد ایک باورچی خانہ بنانے کو بھی تیار نہیں۔ اگر انہیں ایسا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ کہیں گے کہ کیا ہم اتنے ہی ذلیل ہیں کہ یہ کام کریں؟ تو یاد رکھو! باہر سے لوگ یہاں آ رہے ہیں ان کو مرتد کر کے نہ بھیجنا۔ صفائی رکھو۔

ایک امریکن آدمی ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ میں نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ جب وہ واپس گیا تو اُس نے ہمارے مبلغ کو بتایا کہ ربوہ بڑا اچھا شہر ہے مگر ایک نقص میں نے یہ دیکھا ہے کہ وہاں افسردگی سی چھائی ہوئی ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ وہاں درخت لگاتے، رَوِشیں 1 بناتے، پختہ سڑکیں بناتے۔ یوں تو بڑی ہمت کی ہے کہ غیر آباد پہاڑوں کو آباد کر لیا ہے لیکن شہر میں جانے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر افسردگی سی طاری ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جلسہ سالانہ کے بعد میجر مرزا امیر احمد صاحب

نے ایک ماہ کا عرصہ وقف کیا تھا اور کہا تھا کہ میں یہاں رہ کر شہر کی صفائی کا انتظام کروں گا اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی کوشش کی وجہ سے شہر کافی حد تک صاف ہو گیا ہے۔ انہوں نے ایک نوجوان مرزا محمد صادق بیگ صاحب کو بھی کام سکھا دیا ہے۔ اب وہ ان کی غیر حاضری میں کام کر رہے ہیں۔ مگر ہم نے تو اپنی آنکھوں سے کبھی صفائی دیکھی نہیں۔ کالج کو جاتے ہوئے جہاں سے بھی موٹر پر گزرتے ہیں گند ہی گند نظر آتا ہے۔ ممکن ہے ان لوگوں کو صفائی نظر آتی ہو گی جنہوں نے مجھ سے بیان کیا ہے لیکن باہر سے آنے والے لوگوں کو بھی صفائی نظر آنی چاہیے"

(الفضل 11 مئی 1957ء)

---

1 : رَوِش: باغ کی پٹڑی (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)